احمد شاہ پطرس بخاری

(حالاتِ زندگی)

احمد شاہ بخاری یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ قلمی نام ''پطرس'' تھا۔ آپ نے میٹرک تک پشاور میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ جہاں سے ایم اے انگریزی کا امتحان پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آئے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے علمی اعزاز کے ساتھ آنرز کیا۔ وطن واپسی پر گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ ملازمت چھوڑ کر آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت اختیار کرلی۔ وہاں ترقی کرتے کرتے ڈائریکٹر جنرل ہوگئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تعینات ہوئے۔ آپ کی قابلیت کی بنا پر حکومتِ پاکستان نے اُنہیں اقوامِ متحدہ میں مستقل مَندوب بنا کر بھیجا۔ جہاں ترقی کرکے آپ کو اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا۔

پطرس بخاری نے بہت کم لکھا ہے؛ لیکن جو کچھ لکھا ہے؛ وہ زندہ و جاوید رہے گا۔ اُن کی زبان سادہ، رواں اور سلیس ہے۔ شگفتگی، اِس کا ایک اور جوہر ہے۔ وہ بات کو سیدھے سادھے انداز میں اس طرح لکھتے ہیں کہ قاری کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتے ہیں۔ وہ اُردو کے علاوہ انگریزی کے بھی اچھے ادیب تھے۔

پطرس بخاری بنیادی طور پر مزاح نگار ہیں۔ ان کی تحریروں میں خالص مزاح کی صورتیں ملتی ہیں۔ وہ لفظی ہیر پھیر سے مزاح پیدا کرنے کی بجائے واقعہ نگاری سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ وہ کسی واقعہ کو فطری انداز ہی میں نہیں پیش کرتے بَل کہ واقعات کے ردِعمل سے جو نتائج نکلتے ہیں، وہ اس قدر غیر متوقع ہوتے ہیں؛ کہ قاری بے ساختہ مسکرانے پر مجبور ہوجاتا ہے اور بعض اوقات ہنستے ہنستے پیٹ میں بَل پڑ جاتے ہیں۔

اُن کی مزاح نگاری کسی مقصد کی پابند نہیں اور نہ ہی کسی اصلاحی نقطہ نظر کے قائل ہیں۔ پطرس سے پہلے مزاح میں ہزل، پھکڑ اور پھبتی وغیرہ ملتی تھیں؛ مگر اُنہوں نے اُردو کے مزاحیہ ادب کو اِس سے پاک کیا ہے۔ اپنی مزاح نگاری کو طنز اور تمسخر کی آلودگی سے بچایا ہے۔ وہ مغربی ادب کی مزاح نگاری کے حربوں سے پوری طرح واقف ہیں۔ اور اپنے مضامین میں مزاح پیدا کرنے کے لیے اِن سے خوب کام لیتے ہیں۔

اُن کا طنز کبھی کبھی طنزِ ملیح کے انداز میں ملتا ہے۔ وہ عام زندگی میں بھی ہمدرد انسان تھے اس لیے طنز کر کے کسی کا دل نہیں دکھا سکتے تھے۔ تحریف نگاری میں بھی پطرس کو کمال حاصل ہے۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ ''مضامینِ پطرس'' کے نام سے ہے۔ ۱۹۵۸ء میں حرکت قلب بند ہونے سے نیویارک میں وفات پائی۔

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

(پروفیسر پطرس بخاری)

مقاصدِ تدریس

۱۔ طلبہ کو طنز و مزاح کی نوعیت اور ماہیت سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طنز و مزاح سے لطف اندوز ہونے کا گُر بتانا۔
۳۔ اُردو زبان و ادب میں طنز و مزاح کی روایت سے آگاہ کرنا۔
۴۔ اُردو طنزیہ و مزاحیہ ادب میں پطرس بخاری کے مقام کے بارے میں بتانا۔
۵۔ پطرس بخاری کے اسلوبِ نثر کی خوبیوں سے آگاہی دینا۔

خاص الفاظ و تراکیب

ٹھیکا ۔ بنی نوعِ انسان ۔ عدم تشدد ۔ خدائی فوجدار ۔ لٹھ ۔ آفت ۔ پنڈولم ۔ بڑبڑانا ۔ رومان انگیز ۔ سہم جانا

گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپا شنکر جی برہمچاری سے برسبیلِ تذکرہ کہہ بیٹھے کہ ''لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں؛ ذرا ہمیں بھی جگا دیا کیجیے''۔

وہ حضرت بھی، معلوم ہوتا ہے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اٹھتے ہی انہوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکابازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک ہم سمجھے کہ عالمِ خواب ہے، ابھی سے کیا فکر۔ جاگیں گے تو لاحول پڑھ لیں گے۔ لیکن یہ گولہ باری لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی اور کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں۔ صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کلینڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا۔ مگر اب دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا، میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور میری قسمتِ خوابیدہ تک جاگ اٹھی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں...... ''اچھا!......اچھا!...... تھینک یو...... جاگ گیا ہوں...... بہت اچھا! نوازش ہے''۔ آنجناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا! کس آفت کا سامنا ہے۔ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو جلا رہے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سے آواز میں ''قُم'' کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جایا کرتے تھے۔ توپیں تھوڑی داغا کرتے تھے۔ یہ تو ہم سے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے۔ پیش تر اس کے کہ باہر بستر سے نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے اِس کا اندازہ کچھ اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیمپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی،

تو طوفان تھا۔

اب جو ہم کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں! سوچا کہ آج پتا چلائیں گے یہ سورج آخر کس طرح نکلتا ہے لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبح کاذب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں ان میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی تو فکر سا لگ گیا کہ آج کہیں سورج گرہن نہ ہو۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی کو آواز دی۔ لالہ جی!...... لالہ جی!

جواب آیا "ہوں"

میں نے کہا "آج یہ کیا بات ہے کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے؟"

کہنے لگے "تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے!"

تین بجے کا نام سن کر ہوش گم ہوگئے۔ چونک کر پوچھا "کیا کہا تم نے، تین بجے ہیں؟"

کہنے لگے "تین ......تو......نہیں ......کچھ سات ساڑھے سات...... منٹ اوپر تین ہیں"

میں نے کہا "ارے کم بخت، خدائی فوجدار، بدتمیز کہیں کے۔ میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا۔ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے۔ ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے۔ تین بجے ہم اٹھ سکا کرتے تو اِس وقت دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے۔ ابے احمق کہیں کے! تین بجے اٹھ کر ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ امیر زادے ہیں کوئی مذاق ہے، لاحول ولاقوۃ"۔

دل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدّد و شدّ د کو خیر باد کہہ دوں لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوعِ انسان کی اصلاح کا کوئی ہم نے ٹھیکا لے رکھا ہے۔ ہمیں اپنے کام سے غرض۔ لیمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے۔

اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح اپنے دس بجے اٹھے۔ بارہ بجے تک منہ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو واپس ہوسٹل میں وارد ہوئے۔ جوشِ شباب تو ہے ہی، اُس پر شام کا رومان انگیز وقت۔ ہوا بھی نہایت لطیف تھی۔ طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

؎ بلائیں زلف جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی "مسٹر!"

ہم اِس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے۔ بس انگلیاں وہیں پر رک گئیں اور کان آواز کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا "یہ

پ گا رہے ہیں؟'' (زور ''آپ'' پر)

میں نے کہا ''اجی میں کس لائق ہوں لیکن خیر فرمائیے؟'' بولے ''ذرا...... وہ میں ...... میں ڈسٹرب ہوتا ہوں''۔

بس صاحب ہم میں جو موسیقیت کی روح پیدا ہوئی تھی فوراً مر گئی۔ دل نے کہا ''او نابکار انسان دیکھ! پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں''۔ صاحب! خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ ''خدایا! ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں۔ ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے''۔

آنسو پونچھ کر اور دل مضبوط کر کے میز کے سامنے آ بیٹھے۔ دانت بھینچ لیے، نکٹائی کھول دی، آستینیں چڑھا لیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا؟ سامنے سرخ، سبز، زرد سبھی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب ان میں سے کونسی پڑھیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگا دیں کہ باقاعدہ مطالعے کی پہلی منزل یہی ہے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ قطار میں کھڑا کر دیا۔ ایک نوٹ پیپر پر ہر ایک کتاب کے صفحوں کی تعداد کو دنوں کی تعداد پر تقسیم کیا۔ ساڑھے پانسو جواب آیا۔ لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتائے کہ صبح تین بجے ہی کیوں نہ اٹھ بیٹھے۔ لیکن کم خوابی کے طبی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ کو ملامت کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ تین بجے اُٹھنا تو لغو بات ہے۔ البتہ پانچ، چھ، سات بجے کے قریب اٹھنا نہایت معقول ہوگا۔ صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی۔ ہم خرما و ہم ثواب۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اٹھنا ہو تو جلدی ہی سو جانا چاہیے۔ کھانا باہر ہی سے کھا آئے تھے۔ بستر میں داخل ہو گئے۔

چلتے چلتے خیال آیا کہ لالہ جی سے جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں! یوں ہماری اپنی قوت ارادی کافی زبردست ہے۔ جب چاہیں اٹھ سکتے ہیں لیکن پھر بھی کیا ہرج ہے؟ ڈرتے ڈرتے آواز دی۔ ''لالہ جی!''

انہوں نے پتھر کھینچ مارا۔ ''بس''

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ تُتلا کے درخواست کی کہ ''لالہ جی! صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل اگر ذرا مجھے چھ بجے...... یعنی جس وقت چھ بجیں......''

جواب ندارد۔

میں نے پھر کہا ''جب چھ بج چکیں تو...... سنا آپ نے؟''

چپ

''لالہ جی!''

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔ ''سن لیا۔ سن لیا۔ چھ بجے جگا دوں گا۔ تھری گامان پلس فور ایلفا پلس......''

ہم نے کہا ''ب۔ ب۔ ب بہت اچھا۔ یہ بات ہے''

توبہ خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھ بجے انہوں نے دروازے پر گھونسوں کی بارش شروع کردی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہولے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہرصورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا، انہوں نے اِسے اِس شکل میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کردی۔

اِس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب سے ہیں اور ان کے متعلق روایات میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بہرحال اس بات کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کلمہ شہادت بھی پڑھا۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اٹھنے سے پیش تر دیباچے کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی۔ پھر کا نہیں پتا۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا، شاید سر اس میں لپیٹ دیا۔ یا شاید کھانسا کہ خدا جانے خراٹا لیا۔ خیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے۔ لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے بیش تر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں...... ہمارا خیال ہے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے ہوں۔ بہرصورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھ دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سنتا رہا مگر لالہ جی سے ہنس ہنس کر باتیں کیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور اِس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، حد درجے کی طمانیت ظاہر کی کہ ''آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور روح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ اور دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اٹھتا۔ لالہ جی صبح کے وقت دماغ کیسا صاف ہوتا ہے۔ جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہوجاتا ہے۔ بھئی خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے۔ یعنی اگر صبح کی بجائے شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا''۔

لالہ جی نے ہماری اس جادو بیانی کی داد یوں دی کہ آپ پوچھنے لگے ''تو میں آپ کو چھ بجے جگا دیا کروں؟''

میں نے کہا ''ہاں ہاں۔ واہ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بے شک''۔

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعہ کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علیحدہ جوڑ دیں۔ کرسی کو چارپائی کے قریب

سرکا لیا اور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر آویزاں کر دیا۔ کنٹوپ اور دستانے پاس ہی رکھ لیے۔ دیا سلائی کو تکیہ کے نیچے ٹٹولا۔ تین دفعہ آیۃ الکرسی پڑھی اور دل میں نہایت ہی نیک منصوبے باندھ کر سو گیا۔

صبح لالہ جی کی پہلی دستک کے ساتھ ہی جھٹ آنکھ کھل گئی۔ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لحاف کی ایک کھڑکی میں سے اُن کو گڈ مارننگ کیا اور نہایت بیدردانہ لہجے میں کھانسا۔ لالہ جی مطمئن ہو کر چلے گئے۔

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اٹھے۔ دل سے کہا ''دل بھیا! صبح اُٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے۔ ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے''۔ دل نے کہا ''اور کیا تمھارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں''۔ ہم نے کہا ''سچ کہتے ہو یار! یعنی اگر ہم سُستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اِس وقت اِس لاہور شہر میں ہزاروں کاہل لوگ ہوں گے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ ''بھئی کیا برخوردار سعادت آثار واقع ہوئے ہیں'' ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سا لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے...... خوب! تو ہم آج کیا وقت پر جاگے ہیں۔ پس ذرا اس کی عادت ہو جائے تو باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز بھی شروع کر دیں گے۔ آخر مذہب سب سے مقدم ہے۔ ہم بھی کیا روز بہ روز الحاد کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں۔ نہ خدا کا ڈر، نہ رسول ﷺ کا خوف۔ سمجھتے ہیں کہ بس اپنی محنت سے امتحان پاس کر لیں گے۔ اکبر بے چارہ یہی کہتا کہتا مر گیا لیکن ہمارے کان پر جُوں تک نہ رینگی...... (لحاف کانوں پر سرک آیا)...... تو گویا آج ہم اور لوگوں سے پہلے جاگے ہیں...... بہت ہی پہلے...... یعنی کالج شروع ہونے سے بھی چار گھنٹے پہلے...... کیا بات ہے! خداوندانِ کالج بھی کس قدر ست ہیں! ہر ایک مستعد انسان کو چھ بجے تک قطعی جاگ اُٹھنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کالج سات بجے کیوں نہ شروع ہوا کرے...... (لحاف سر پر)...... بات یہ ہے کہ تہذیبِ جدید ہماری تمام اعلیٰ قوتوں کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ عیش پسندی روز بہ روز بڑھتی جاتی ہے...... (آنکھیں بند)...... تو اب چھ بجے ہیں۔ تو گویا تین گھنٹے تو متواتر مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ پہلے کون سی کتاب پڑھیں۔ شیکسپیئر یا ورڈز ورتھ۔ میں جانوں، شیکسپیر بہتر ہوگا۔ اس کی عظیم الشان تصانیف میں خدا کی عظمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور صبح کے وقت اللہ میاں کی یاد سے بہتر چیز کیا ہو سکتی ہے؟'' پھر خیال آیا کہ دن کو جذبات کے محشرستان سے شروع کرنا ٹھیک فلسفہ نہیں۔ ورڈز ورتھ پڑھیں، اس کے اوراق میں فطرت کو سکون و اطمینان میسر ہوگا اور دل اور دماغ نیچر کی خاموش دل آویزیوں سے ہلکے ہلکے لطف اندوز ہوں گے...... لیکن شیکسپیر...... نہیں۔ ورڈز ورتھ ہی ٹھیک رہے گا...... شیکسپیر...... ہیملٹ...... لیکن...... ورڈز ورتھ...... لیڈی میکبتھ...... دیوانگی...... سبزہ زار...... سنجر سنجر، یادِ بہاری...... صیدِ ہوس...... کشمیر...... میں آفت کا پرکالہ ہوں۔

یہ معما اب مابعدالطبیعات ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ پھر جو ہم نے لحاف سے سر باہر نکالا اور ورڈز ورتھ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہی دس بج رہے تھے۔ اس میں نہ معلوم کیا بھید ہے؟

کالج ہال میں لالہ جی ملے۔ کہنے لگے ''مسٹر! صبح میں نے پھر آپ کو آواز دی تھی۔ آپ نے جواب نہیں دیا''۔

میں نے زور کا قہقہہ لگا کر کہا ''اوہو! لالہ جی! یاد نہیں میں نے آپ کو گڈ مارننگ کہا تھا۔ میں تو پہلے ہی سے جاگ رہا تھا''۔

بولے ''وہ تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں ...... اس کے بعد ...... کوئی سات بجے کے قریب میں نے آپ سے تاریخ پوچھی تھی۔ آپ بولے ہی نہیں''۔

ہم نے نہایت تعجب کی نظروں سے ان کو دیکھا، گویا وہ پاگل ہوگئے ہیں اور پھر ذرا متین چہرہ بنا کر ماتھے پر تیوری چڑھائے، غور وفکر میں مصروف ہوگئے۔ ایک آدھ منٹ تک ہم اس تعمق میں رہے۔ پھر یکا یک ایک محبوبانہ اور معشوقانہ انداز سے مسکرا کر کہا ''ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں اس وقت ...... اے ...... اے نماز پڑھ رہا تھا''۔

لالہ جی مرعوب سے ہو کر چل دیے اور ہم اپنے زہد وتقویٰ کی تسکینی میں سر نیچا کیے کمرے کی طرف چلے آئے۔

اب یہی ہمارا روزمرہ کا معمول ہوگیا ہے۔ جاگنا نمبر ایک چھ بجے۔ جاگنا نمبر دو۔ دس بجے۔ اس دوران میں لالہ جی آواز دیں تو نماز۔

جب دلِ مرحوم ایک جہانِ آرزو تھا تو یوں جاگنے کی تمنا کیا کرتے تھے کہ ''ہمارا فراق نازِ محو بالشِ کمِ خواب ہو اور سورج کی پہلی کرنیں ہمارے سیاہ پر پیچ بالوں پر پڑ رہی ہوں۔ کمرے میں پھولوں کی بوئے سحری روح افزائیاں کررہی ہو'' ......

غضب یہ ہے کہ پہلے مسٹر ...... مسٹر کی آواز اور دروازے کی دنادن سامعہ نوازی کرتی ہے اور پھر چار گھنٹے بعد کالج کا گھڑیال دماغ کے ریشے ریشے میں دس بجانا شروع کردیتا ہے اور چار گھنٹے کے عرصے میں گڑویوں کے گر پڑنے، دیگچوں کے الٹ جانے، دروازوں کے بند ہونے، کتابوں کے جھاڑنے، کرسیوں کے گھسیٹنے، کلیاں اور غرغرے کرنے، کھنکارنے اور کھانسنے کی آوازیں تو گویا فی البدیہہ ٹھمریاں ہیں، اندازہ کرلیجیے کہ ان سازوں میں سرتال کی کس قدر گنجائش ہے؟

موت مجھ کو دکھائی دیتی ہے
جب طبیعت کو دیکھتا ہوں میں

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

الف) جاگنے کے بعد مصنف کو وقت کی دُرست سمجھ کیوں نہیں آئی؟

ب) صراحی پر رکھا ہوا گلاس کس طرح بجنے لگا۔

ج) بقول مصنف مطالعے کی پہلی منزل کیا ہے؟

د) مصنف جلدی کیوں سو گئے؟

ہ) دوسرے دن جگانے کے بعد مصنف پر کیا گزری؟

و) مصنف آخر تک کیوں مطالعہ شروع نہیں کر سکے؟

ز) مصنف لالہ کرپاشنکر جی کا شکریہ کیوں ادا کرتے تھے؟

ح) آپ نے مصنف کی شخصیت کو کیسا پایا؟

۲۔ سبق کے مطابق دُرست جواب کا انتخاب کریں۔

الف) مصنف صبح سویرے اُٹھنا چاہتے تھے۔

i) صبح کی سیر کے لیے　　ii) مطالعہ کے لیے

iii) نماز پڑھنے کے لیے　　iv) دفتر جانے کے لیے

ب) مصنف نے دوسرے دن مطالعہ کیا۔

i) ہیملٹ کا　　ii) لیڈی میکتھ کا

iii) قرآن مجید کا　　iv) انجیل کا

ج) لالہ شنکر جی نے پہلے دن مصنف کو جگایا۔

i) تین بجے　　ii) پانچ بجے

iii) سات بجے　　iv) نو بجے

د) مصنف ایک طالب علم تھے۔

i) سُست　　ii) چُست

iii) لائق　　iv) نالائق

ہ)　مصنف دوسرے دن جلدی سو گیا تاکہ

i)　نیند پوری ہو　　ii)　صبح جلدی اُٹھ سکے

iii)　کالج بروقت جا سکے　　iv)　دوست سے مل سکے

۳۔　سبق کے مطابق دُرست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

الف)　مصنف سحر خیزی کے عادی تھے۔

ب)　پہلے دن مصنف کو جلدی جگانے کی وجہ سے بہت غصہ آیا تھا۔

ج)　لالہ کرپا شنکر جی وقت کے بہت پابند تھے۔

د)　مصنف لالہ کرپا شنکر جی کے جگانے کے بعد فوراً مطالعہ شروع کر دیتے تھے۔

ہ)　مصنف ایک پُرعزم شخصیت کے مالک تھے۔

۴۔　اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۵۔　لالہ کرپا شنکر جی کی شخصیت کے نمایاں پہلو بیان کریں؟

۶۔　اگر آپ مصنف کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟

۷۔　بہ حوالہ متن درج ذیل عبارت کی تشریح کریں۔ نیز سیاق و سباق بھی لکھیں۔

''ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی ....لحاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے''۔

۸۔　درج ذیل الفاظ/ تراکیب/ محاورات کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جل ترنگ ۔ اہلِ ذوق ۔ توپیں داغنا ۔ عدم تشدد ۔ سحر خیز ۔ جوشِ شباب ۔ آستینیں چڑھانا۔ اضطراب ۔ اولوالعزمی

طنز و مزاح

طنز: زندگی کے عیوب و نقائص، ماحول کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں، لوگوں کی انفرادی یا اجتماعی عادات، سیاسی، سماجی یا اقتصادی نظام کی کمزوریوں اور خامیوں کو مزاحیہ انداز میں اس طرح پیش کرنا کہ وہ لوگوں کو بُرا بھی نہ لگے؛ اور ان کے ذہن اِن خامیوں کی طرف متوجہ بھی ہو جائیں طنز کہلاتا ہے۔ ایک طنز نگار کا مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کے ناسور پر طنز کے تیز نشتر چلا کر اِن سے فاسد مواد خارج کرتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے؛ کہ معاشرہ یا فرد اُس کے طنز کی بنا پر اپنی خامیوں اور برائیوں سے نجات حاصل کرے، طنز کہلاتا ہے۔

مزاح: مختلف کاموں میں یکسوئی اور انہماک سے مسلسل جُتے رہنے کی وجہ سے انسانی اعصاب تھک جاتے ہیں۔ اور جسم کے اعضا کمزوری محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح روزانہ گھنٹوں ایک ہی طرح کا کام کرتے رہنے کی وجہ سے ہمارا دماغ تھک جاتا ہے۔ اور ہم اکتاہٹ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اِس اکتاہٹ کو رفع کرنے کے لیے کئی طریقوں میں ایک طریقہ مزاحیہ تحریروں کا مطالعہ بھی ہے۔ یہ مزاحیہ تحریریں دنیاوی اور کاروباری تفکرات سے ہماری توجہ ہٹا کر ہمیں شگفتگی اور تازگی کی فضا میں لے جاتی ہیں۔ مزاح کے ذریعے خوش طبعی، زندہ دلی، ذہنی چاشنی اور جودتِ طبع کا مظاہرہ کر کے پڑھنے والے کو ہنسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مزاح یا ظرافت کا مقصد کسی پر چوٹ کر کے اسے دکھ پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ بات کو اس انداز سے بیان کرنا ہے کہ سب سننے والے ہنس پڑیں لیکن کسی کو دکھ نہ ہو، مزاح کہلاتا ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ سے کوئی تحریر اس کے ادبی محاسن (علم بیان، صنائع بدائع) کے حوالے سے پڑھوائیں اور ان سے عام اور ادبی تحریر میں تمیز کروائیں۔

۲۔ کوئی بھی مضمون اس کے اجزا اور خصوصیات، اصطلاحات اور تصورات کے حوالے سے سمجھ کر پڑھوائیں۔

۳۔ اُردو زبان کے کسی اور مزاح نگار کے نثری فن پارے کا پطرس بخاری کے کسی مضمون سے فنی محاسن کے حوالے سے موازنہ کروائیں۔

۴۔ پطرس بخاری کی کتاب ''مضامینِ پطرس'' سے کوئی اور مضمون طلبہ کو سنوائیں۔

اشاراتِ سبق

اساتذہ کرام طلبہ کو

۱۔ طنز و مزاح کی نوعیت اور ماہیت سے آگاہ کریں۔

۲۔ اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت اور اہمیت پر لیکچر دیں۔

۳۔ اُردو طنز و مزاح میں پطرس بخاری کے مقام سے آگاہ کریں۔

۴۔ پطرس بخاری کے اسلوبِ نثر کی فنی خوبیوں سے واقفیت دلائیں۔